© rasailojaraid.com

خطبۂ تبوک

(۲)

عبدالقدوس ہاشمی

(۷) و خیر الامور عوازمہا۔ اور سب سے اچھا کام وہ ہے جو پوری توجہ کے ساتھ صحیح طور پر کیا جائے۔

آپ کوئی کام کریں ایسے پوری توجہ کے ساتھ صحیح طور پر انجام دیں اور استقلال کے ساتھ اس میں لگے رہیں۔ اسی کو عوازم الامور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ امور دنیا و دین و ہر کام کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اس کے لئے اپنے دل میں عزم و ارادہ پیدا کریں۔ اس کو پوری توجہ کے ساتھ پورا کریں اس میں سے کچھ کم نہ ہونے دیں، اور کوئی نئی بات (بدعت) اس میں نہ پیدا کریں۔ پھر یہ کہ آپ اس کام کو چھوڑ نہ دیں استقلال کے ساتھ اس میں لگے رہیں۔ کام کی انجام دہی سے صحیح فائدہ آپ اسی طرح حاصل کرسکتے ہیں۔

مثلاً آپ کو بتایا گیا ہے کہ صبح کی نماز میں دو سنت اور دو فرض رکعتیں ہیں۔ آپ پوری توجہ اور اطمینان کے ساتھ یہ دو دو رکعتیں پڑھئے، اتنی جلدی اور تیزی کے ساتھ نہ پڑھئے کہ رکوع و سجدہ کا پورا حق بھی نہ ادا ہو، اور نہ اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ کردیجئے۔ ہوسکتا ہے کہ دن کی پہلی نماز میں صرف دو دو رکعتیں دیکھ کر آپ کے دل میں یہ شیطانی وسوسہ آجائے کہ ہم اسے چار چار رکعت بنادیں۔ یہ شر الامور بدعت ہی نہیں بلکہ اللہ و رسول کی صریح نافرمانی ہوگی۔ اللہ کے رسول نے ہمیں صبح کی نماز دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض ہی سکھائی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

یہ صرف ایک مثال تھی، نماز ہی نہیں بلکہ اور تمام امور میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئیے کہ کام وہی بہتر ہے جو پوری توجہ کے سا
صحیح طور پر کیا جائے۔ اور استقلال کے ساتھ اسے انجام دیا جائے۔

(۸) و شر الامور محدثاتها — اور سب سے برا کام وہ ہے جو اصل کام پر لیا اضافہ (یعنی بدعت) ہو،

عام طور پر لوگ مذہبی کاموں میں جدید اضافے کرلیا کرتے ہیں جن کی کوئی اصل شرعی احکام میں نہیں ملتی۔ اس کے بعد جب ان کو اس کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے، اس طرح قوموں میں نئے نئے عقاید اور رسوم ڈھلتے رہتے ہیں اور تھوڑے دنوں کے بعد یہ عقاید اور یہ بدعتی مراسم اصل دین کی جگہ لے لیتے ہیں۔ سارا مذہبی نظام چند بدعتی مراسم کا مجموعہ ہو جاتا ہے۔ اصل تعلیم و عقاید تو پیچھے چلے جاتے ہیں، سارا زور اس بدعت پر دیا جاتا ہے۔ اس طرح قومیں آہستہ آہستہ رسم و رواج کی پابند ہوکر مذہب کی اصل روح سے بیگانہ ہو جاتی ہیں، عبادات میں بھی اور عام زندگی میں بھی۔

اس کی مثال دنیا کی مختلف قوموں میں اور خود مسلمانوں میں بھی ہر روز اور ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید نے رہبانیت کے متعلق یہ بتایا ہے کہ نصاری نے یہ نئی بات خود ہی پیدا کرلی، انھیں اس کا کوئی حکم کبھی نہیں دیاگیا تھا کہ دنیا سے کنارہ کش ہوکر صحراؤں اور پہاڑوں میں مسکن بنا لیں اور اللہ تعالی کی رضامندی حاصل کرنے کا ایسا طریقہ اختیار کرلیں جس کے نتیجہ کے طور پر ان کی زندگی بے کار و بے معنی ہو جائے۔ پہاڑ کے پتھروں اور درختوں سے بھی کمتر درجہ پر جائیں اور زندگی سے افادیت بالکل مفقود ہوجائے۔ لیکن نصاری ہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی بزرگی اور ولایت کا معیار اسی بدعت کو قرار دے لیا۔ مسلمان اپنی زندگی میں غور سے بدعت کے کارناموں اور مراسم پرستی کو دیکھیں، عبادتوں میں کتنی بدعتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابند ہیں ۔ اور اجتماعی و عائلی زندگی میں مراسم پرستی نے ہمیں اصل اسلامی سے کس قدر بیگانہ بنا دیا ہے ۔

(۹) واحسن الھدی ھدی الانبیاء اور سب سے اچھی راہ (راہ زندگی) انبیاء کی راہ ہے ۔

دیکھنے میں یہ ایک مختصر سا فقرہ ہے لیکن عملی زندگی کے لئے ایک شعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ آپ اپنی زندگی پر غور کریں اور دوسروں کی زندگیوں کو دیکھیں، ہم جو کچھ جانتے ہیں اور جو اعمال کرتے ہیں ان کا تقریباً نوے فیصد حصہ وہ ہے جو ہم دوسروں کے اقوال و اعمال کو دیکھ کر حاصل کرتے ہیں اور اپنے لئے اختیار کرلیتے ہیں ۔ ہم نے اپنے بزرگوں اور اساتذہ کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا اور کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کی نقلیں اپنی ساری عمر کیا کرتے ہیں ۔ اس طرح ہم کو اپنی زندگی کے ہر ہر موڑ پر رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ اب ایک وقت وہ آتا ہے کہ ہماری عقلیں لسبۃً پختہ ہوجاتی ہیں اور ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ جو مثالیں زندگی کی ہمیں ملتی ہیں یا جو راہیں ہمیں دنیا کے عاقل و فلسفی دکھاتے ہیں یا جو صراط مستقیم ہمارے سامنے انبیائے کرام نے پیش کی ہے ان میں سے کونسی راہ بہتر ہے اور کسے ہم احسن قرار دے کر اختیار کریں ۔ یہ بڑا مشکل سوال ہے ۔ اگر ہم نے اپنے لئے غلط راہ کا انتخاب کرلیا یا ایک ایسی راہ زندگی ہم نے پکڑ لی جس پر چل کر کامیاب زندگی ہم بسر نہ کرسکے تو یقیناً ہم بڑے نقصان میں رہیں گے ۔ اس گنجلک اور اہم سوال کا یہ جواب ہے کہ انبیائے کرام کی بتائی ہوئی راہ احسن اور اولیٰ ہے، اسی کو اختیار کرو ۔ انبیائے کرام کی بتائی ہوئی راہ کیوں سب سے اولیٰ و احسن ہے ۔ اس پر غور کر لیجئے ۔

زندگی کی راہیں تو ہمارے سامنے متعدد ہیں اور ایک دوسری سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف و متنوع بھی ہیں۔ ایک وہ راہ ہے جو فلسفیانِ ما بعد الطبیعیات نے بتائی ہے۔ ایک وہ ہے جو تارک الدنیا راہبوں نے دکھائی ہے، ایک وہ ہے جو زر اندوز محبان دولت کی راہ ہے۔ ایک وہ ہے جو خود غرض فاتحین نے پیش کی ہے، ایک وہ ہے جو جھوٹے مدعیان نبوت والوہیت کی راہ ہے، اور ایک وہ ہے جو اللہ تعالی کے انبیائے صادقین نے ہمیں دکھائی ہے۔ اب یہ اور اس قسم کی اور بہت سی راہوں پر غور کیجئے، سوچیے اور اچھی طرح سوچیے، وہ کونسی راہ ہے جس کو اختیار کرکے ہم دنیا میں خوش اور مطمئن زندگی بسر کرسکتے ہیں اور مرنے کے بعد اچھی اور خوشگوار زندگی کی امید کرسکتے ہیں۔ یہ تو بہر حال یقینی اور ناقابل انکار بات ہے کہ جس طرح اور سب لوگ مرگئے ہیں ہم بھی مرجائیں گے۔ اس لئے ہمیں راہ وہی اختیار کرلی چاہئے جو ہمیں اس عالم میں خوش و مطمئن زندگی بسر کرنے میں معاون ہو اور دوسرے عالم کی طویل زندگی میں خوش گواری کی کم از کم امید تو دلا سکے۔

فلسفیوں کی راہ اختیار کرنے سے نہ صرف روحانی خلاء پیدا ہو جاتا ہے بلکہ دل و دماغ کے مابین ایک نزاع دائمی پیدا ہوکر زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ خود ان فلسفیوں کی زندگیوں کو دیکھئے، قول و عمل میں تخالف، دل و دماغ کے مابین دائمی تنازع، شک بالائے شک اور عدم یقین کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ تارک الدنیا راہبوں اور سادھوؤں کی راہ کو دیکھئے۔ زندگی کاٹے کو ہوئی، نہ اپنے کام کی اور نہ کسی دوسرے کے کام کی، ایک صحرا نشین سادھو کی زندگی اور اسی صحراء کے ایک تودۂ ریگ میں کیا فرق ہے۔ پہاڑ کے پتھر اور صحراء کی جھاڑیاں بھی اس سے زیادہ کار آمد نظر آئیں گی۔ دوسری غیر معتدل زندگی ایک زر اندوز پرستار دولت کی زندگی ہے، ساری عمر غم سیم و زر میں بسر کی، نہ کبھی حرص پوری ہوئی اور نہ کبھی فکر دولت سے نجات مل سکی۔ مر گئے اور سب کچھ یہیں رہ گیا۔ پھر زندگی میں اتنی عظیم دولت کہاں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کی اور پھر اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کی فکر میں گھلتے رہے، نہ خود فائدہ اٹھایا، نہ خدا کی راہ میں خرچ کے آخرت کی سر بلندی حاصل کی۔ اس دولت میں اور سنگریزوں میں کیا رہا — ع

برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر

دنیا کے بڑے بڑے فاتحین اور کشور کشاؤں کی راہ کو دیکھئے۔ طرات میں گھری ہوئی کیسی بے چین زندگی ہے، جب تک جیتے رہے، اپنے ئے اور دنیا کے لئے مصیبت بنے رہے اور جب مرگئے تو ساری دنیا کی لعنتیں ے کر خالی ہاتھ رخصت ہو گئے۔

لایا تھا کیا سکندر، کیا لے گیا جہاں سے

تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

ایک زندگی ہے جھوٹے مدعیان الوہیت، نبوت، ولایت و قیادت کی زندگی۔ کیسی نقلی اور بناوٹی زندگی ہے۔ ہر ہر منٹ نظر عوام سے گر جانے کا خطرہ دل میں کچھ، زبان پر کچھ، یقین کچھ اور عمل کچھ۔ جب دیکھئے ہر بن مو سے چندہ چندہ کی آوازیں آرہی ہیں۔ غیروں کی کمائی پر خوش حالی کا مدار، کاہلی اور تن آسانی کے شکار۔ ہر ادا میں ریا، ہر چال میں شہرت و مقبولیت کی تمنا۔ خالق کائنات کی رضا سے بے فکری مگر عوام کی رضا مندی کے لئے ہر وقت کوشاں۔ اللہ کے خوف سے دل خالی لیکن عوام کے خوف سے ہراساں۔ یہ ہے ان کی زندگی۔

ان راہوں سے مختلف سچے انبیائے کرام کی زندگیوں کو دیکھئے۔ فلسفیوں کی طرح کوئی نبی اپنے سے پہلے انبیاء کی تردید نہیں کرتا بلکہ تصدیق کرتا ہے اس کا یقین اس کے قول سے اور اس کا قول اس کے عمل سے کبھی مختلف نہیں ہوتا۔ حضرت زکریا کے سر پر آرا چلا دیا گیا، حضرت یحیی کو قتل کردیا گیا لیکن مصلحت بینی انھیں اپنے یقین کے خلاف ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لفظ بھی زبان سے نکلوانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ حضرت یوسف کو اقتدار و دولت دی گئی، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو بادشاہت عطا ہوئی لیکن ان کے اقوال و اعمال ان کے یقین و ایمان سے مختلف کبھی نہیں ہو سکے۔ ان پر یہ حالت کبھی طاری نہیں ہوئی کہ دل و دماغ کے مابین جنگ شروع ہو جاتی۔ وہ جو کچھ کرتے رہے اس یقین و ایمان کے ماتحت کرتے رہے کہ خالق کائنات کی رضا اسی عمل میں ہے۔

انبیائے کرام کی زندگیوں میں ایک یہ خصوصیت بھی نمایاں نظر آتی ہے کہ وہ لوگوں کو جو کچھ یقین و عمل کے لئے دیتے ہیں خود اس پر سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ وہ اگر توحید پر یقین رکھنے کو کہتے ہیں تو خود سب سے زیادہ یقین رکھتے ہیں، وہ اگر عبادت بجا لانے کو کہتے ہیں تو خود سب سے زیادہ عبادت بجا لاتے ہیں۔ وہ اگر دوسروں کا غم کھانے کی تلقین کرتے ہیں تو خود غیروں کے دکھ درد میں سب سے زیادہ شریک ہوتے ہیں۔ اور یہ بات کسی مدعی میں آپ کو نہیں ملے گی۔

انبیائے کرام کی راہ زندگی اس لئے بھی بڑی حسین ہوتی ہے کہ وہ آدمی کی حیات کو ایک مسلسل غیر منقطع حقیقت ثابتہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور خود اس پر بدرجۂ کمال یقین رکھتے ہیں کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو دنیاوی زندگی سے ملحق ہے۔ دنیاوی زندگی کے تمام ارادی عقاید و اعمال کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ اس عقیدہ کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی حیات دنیاوی میں افادیت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ اعمال کے استفادی تصور سے جو خود غرضیاں پیدا ہوتی ہیں اور معاشرے میں اس سے جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں ان سب سے انبیاء کرام کی زندگیاں پاک اور مبرا ہوتی ہیں۔

انبیائے کرام ہمیں بتاتے ہیں کہ بہترین آدمی وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ اللہ کا محبوب بندہ وہ ہے جو محنت سے اپنے لئے کمائے اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمائی میں سے سائل و محروم کو بھی دے۔ وہ شخص اللہ کا محبوب بندہ نہیں ہے جو دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرے۔

اس طرح آپ جتنا زیادہ غور کریں گے اتنا ہی زیادہ آپ پر یہ حقیقت روشن ہوتی جائے گی کہ اللہ تعالی کے سچے نبی، اور سلسلۂ انبیاء کرام کی آخری اور تکمیلی شخصیت نے انبیائے کرام کی راہ زندگی کو احسن قرار دے کر کیسی عظیم الشان صداقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۱۰) و اشرف الموت قتل الشہداء — اور سب سے زیادہ با عزت موت شہیدوں کی موت ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے۔ آخر ہم آپ سب ہی کو ایک نہ ایک دن موت آئے گی۔ چاہے ہسپتال کے بستر پر آئے یا میدان جہاد میں، موت تو بہرحال آئے گی۔ اب اگر زندگی کا مقصد خالق کائنات کی رضا کا حصول ہے تو زندگی اشرف و باعزت ہے، اور اگر موت کے وقت مرنے کا مقصد بھی یہی ہو تو اس موت کے کیا کہنے ہیں۔ ایک شہید اپنی سب سے بڑی متاع یعنی حیات کو اپنے خالق کے حضور میں پیش کرکے جب یہ کہتا ہے کہ۔

جان دی ،دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو یقیناً اس موت کو اشرف الموت ہی کہا جا سکتا ہے۔ مرنے کو تو سب ہی مرتے ہیں لیکن شہید ایک مقصد کے لئے مرتا ہے اور دوسرے بے مقصد اور مجبوراً موت کا مزہ چکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں شہداء کے جو مراتب عالیہ بتائے گئے ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ ہر موت سے زیادہ بہتر موت شہید کی موت ہوتی ہے۔

(۱۱) و اعمی الاعمی الضلال بعد الھدیٰ — سیدھی راہ پا لینے کے بعد گمراہی سب سے بڑی بے بصری ہے۔

اس سے بڑا اندھا اور محروم بصر کون ہوسکتا ہے جسے سیدھی راہ دکھا دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے ،وہ دیکھ بھی لے، لیکن اس کے بعد وہ اس راہ کو اختیار کرنے کی بجا دوسری طرف چل پڑے اور راہ ڈھونڈھتا پھرے۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھلا ایسا کون آدمی ہوگا جو سید راہ دیکھ لینے اور پا لینے کے بعد بھی دوسری طرف چل کر گمراہ ہو جائے۔ لیکن نہیں، ایسے آدمی بہت ہوتے ہیں جن کو سیدھی راہ دکھا دی جاتی ہے اور وہ خود بھی جانتے ہیں کہ سیدھا راستہ کیا ہے مگر اس کے باوجود وہ غلط راستوں پر لگ جاتے ہیں ۔ کبھی برادری کے رسم و رواج کے آگے سپر انداز ہونے کی وجہ سے اور کبھی اپنی بیوی اور بچوں کے اصرار کی وجہ سے۔ غور سے گرد و پیش کو دیکھئے، عزیزوں اور ہمسایوں کی حالت پر غور کیجئے۔ ایسے اندھوں کی اس دنیا میں کوئی کمی نہیں ہے جو برادری میں ناموری کے لئے سودی قرض لیتے ہیں ۔ اور بیوی کی ناز برداری کے لئے رشوتیں ۔ حالانکہ انہیں سیدھی راہ دکھا دی گئی ہے اور وہ اس سے پوری طرح واقف بھی ہیں ۔ ریا اور ناموری کی تمنا میں اسراف و تبذیر کی برائی سے کون واقف نہیں لیکن ان آنکھوں والے اندھوں کی کتنی بہتات ہے ۔ یہی حال ان اندھوں کا ہے جو اللہ جل جلالہ پر ایمان رکھنے کے باوجود امید و بیم کا رشتہ مخلوقات سے جوڑتے پھرتے ہیں ۔ یہ ہیں وہ اندھوں میں اندھے جن کو راہ دکھا دی گئی ہے اور انھوں نے راہ دیکھ بھی لی ہے، مگر اس کے باوجود وہ گمراہی میں بھٹک رہے ہیں ۔ اور سب سے بڑے اندھے تو وہ ہیں جو اسلام کی ہدایت کو پاکر بھی بھٹک جاتے ہیں ۔

(۱۲) وخیر الاعمال ما نفع — سب سے اچھا عمل وہ ہے جو نفع پہنچائے ۔

کتنی سچی بات ہے، جس کام سے کوئی نفع ہی حاصل نہ ہو، اس میں وقت صرف کرنا کتنی بڑی نادانی ہوگی۔ ہمارے لئے سب سے قیمتی اور اہم چیز کیا ہے۔ ہر شخص اس کا ایک ہی جواب دے گا اور وہ یہ کہ سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نی اور اهم ترین دولت هماری زندگی هے - زندگی کسے کہتے هیں - پیدایش
موت تک کے وقت کو- اس طرح همارا وقت چاهے ایک منٹ هی کیوں نه
، هماری قیمتی زندگی کا ایک حصه هے - هماری پوری زندگی ان هی منٹوں ،
نٹوں، دنوں، مہینوں اور سالوں کا مجموعه هے - اب خود سوچ لیجئے که اگر
نے اپنا ایک منٹ بھی ایسے کام میں ضایع کردیا جس کا نفع نہیں تو آپ نے
نی سب سے قیمتی دولت یعنی زندگی کو برباد کیا - ذرا هم اپنی حماقتوں اور
ادائیوں کو دیکھیں که ایک گھنٹه بے کاری میں گذارا، دوسرا گھنٹه فضول
اتوں بلکه غیبت اور عیب جوئی میں بسر کیا، ڈھائی گھنٹے سنیما دیکھنے
یں خرچ هوئے اور دو گھنٹے کہانیاں سننے میں- زندگی یوں برباد کی که بے
نفع کام کرتے رهے، ایسے کام که جن سے کوئی فائده نه دنیا میں حاصل
هوتا هے اور نه آخرت میں - اس پر مزید مصیبت یه که زندگی خدا کی امانت
هے اس کو بے نفع کاموں میں برباد کرنے کا قیامت میں حساب بھی دینا
پڑے گا-

(۱۳) وخیر الهدی ما اتبع — اور سب سے اچھا طریقه وه هے جس کی اتباع کی جائے-

یقیناً وهی طریقه اچھا طریقه زندگی هے جس کی اتباع کی جائے ورنه طریقهٔ
زندگی تو وه بھی هوتا هے جس کی اتباع نہیں کی جاسکتی، مثلاً ایک شخص
نے توکل اور قناعت کو غلط معنی پہنا کر کاهلی اور بے کاری کی زندگی شروع
کردی- اپنے کو قانع اور متوکل کا لقب دے کر بیٹھ رها - اب اس کا گزر بسر
محض دوسروں کی امداد پر هوگیا - اگر کوئی اس کا طریقهٔ زندگی کی اتباع کرنا
چاهے بھی تو کیسے کرے- سب لوگ ایسے هی کاهل اور ناکاره هوکر بیٹھ
جائیں تو ان کا گزر بسر کیسے هو اور خود اس مرشد کی امداد کرنے والے
کہاں سے آئیں- ایک آدمی دن رات گیان دهیان میں لگا رهے تو اس کی اتباع
کرنے والے کہاں سے لائے جائیں اور کس طرح زندگی کے دوسرے فرایض کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انجام دهی هوسکے۔ اسی طرح ایک شخص کو دیکھئے جو دن رات دنیا کمانے میں لگا رہتا ہے نہ اسے اپنے گھر والوں کی خدمت کے لئے وقت ملتا ہے اور نہ ہمسایوں اور محلہ والوں کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کے لئے۔ اب اگر لوگ اس کی سی زندگی اختیار کرلیں تو معاشرے میں کیسی شدید خود غرضی پیدا ہوجائے اور کتنی مشکلات میں دنیا والے مبتلا ہو جائیں گے۔

اسی لئے ہادی برحق علیہ الصلواۃ والسلام نے ہدایت فرمائی کہ طریقۂ حیات وہی بہتر ہے جس کی لوگ اتباع کرسکیں اور کریں۔

(۱۳) وشر العمی عمی القلب — اور بہت هی بری نابینائی ہے دل کی نا بینائی۔

جو لوگ آنکھوں سے معذور اور نابینا ہوتے ہیں انھیں خود تو بے بصری سے بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں مگر دوسروں کو ان سے بہت زیادہ تکلیف نهیں پہنچتی، زیادہ سے زیادہ یہی تکلیف پہنچتی ہے کہ کبھی ان سے ٹھوکر لگ جائے یا اس کی لاٹھی سے کسی کو کبھی تھوڑی سی چوٹ آ جائے۔ لیکن جن کے قلوب سے بصیرت گم ہوجاتی ہے۔ اور خیر و شر میں تمیز کی نظر باقی نهیں رهتی، حق و باطل کے مابین امتیاز ان کو نظر نهیں آتا۔ ایسے لوگ ساری دنیا کے لئے مصیبت کا سبب بن جاتے ہیں یہ سب سے برا اندھا پن ہے۔ اگر ایسا آدمی کہیں صاحب اقتدار ہو تو سب سے زیادہ خطرناک اور عذاب ثابت ہوتا ہے ورنہ کم از کم اپنے گھر، محلہ، اور معاشرے کے لئے تو بہرحال وہ ایک شر هی ہوتا ہے جس سے بچتے رہنے کی ہر شخص کو فکر لگی رہتی ہے۔

ایسے اندھے جن کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں لیکن دل برائی اور بھلائی کے مابین تمیز کرنے سے قاصر ہے، بہت سے ملتے ہیں۔ گلیوں اور سڑکوں پر ملتے ہیں تجارتی گدیوں پر ملتے ہیں، سرکاری دفاتر کی کرسیوں پر ملتے ہیں۔ دوکانوں میں ملتے ہیں کاریگروں میں ملتے ہیں اور حد تو یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہ کہ معلموں اور استادوں میں ملتے ہیں، کہاں نہیں ملتے ؟ ایک استاد ہ کہ شاگردوں کے پیسوں سے ان ہی کے ساتھ سنیما دیکھنے جاتا ہے ۔ یک عہدیدار ہے کہ رشوت لینے کی ترکیبیں سوچتا رہتا ہے ۔ ایک ہمسایہ ہے کہ گھر کی ہر گندہ چیز سڑک پر پھینک دیا کرتا ہے اور گندگی پھیلاتا رہتا ہے یہ سب آنکھوں سے بینا اور دل سے نابینا لوگ ہیں ۔ ان کے دل یہ نہیں دیکھ سکتے کہ ان کی ان حرکتوں سے کیا برے نتائج پیدا ہوتے ہیں ۔ اور وہ کس طرح دوسروں کی تکلیف کا سبب بن رہے ہیں، ان حرکتوں سے دوسروں کو کس قدر دکھ اٹھانا پڑتا ہے یہ انہیں نظر ہی نہیں آتا ۔ ایسوں کا الدھا بن خود ان کے لئے بھی شر ہے اور دوسروں کے لئے بھی شر۔

(۱۰) والید العلیا خیر من الید السفلی ۔ اور اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والا) سے بہتر ہے ۔

یہ اتنی واضح حقیقت ہے کہ اس کی تشریح ضروری نہیں ۔ مانگنے والوں کو کس نے نہیں دیکھا ہے ۔ ان کی اپنی نفسی کیفیت کیا ہوتی ہے، اس کو تو وہی جانتے ہیں لیکن دیکھنے والوں کی نظر میں کون سا ہاتھ بہتر دکھائی دیتا ہے اس کا روزانہ مشاہدہ ہم سب کو ہوتا ہے ۔

مانگنے والے عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں ۔ اول وہ جو کسی وقت ضرورت ہ مجبور ہوکر کچھ مانگتے ہیں ۔ دوسرے وہ جنہوں نے گداگری کو بطور پشہ اختیار کیا ہے ۔ پہلی قسم بھی آنکھوں میں ذلیل دکھائی دیتی ہے، ن کے لئے یہ بہتر ہوتا کہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے بغیر کسی نہ کسی طرح اپنی ضرورت پوری کرلیتا اور مانگنے کی ذلت سے اپنے آپ کو بچا یتا ۔ رہی دوسری قسم یعنی پیشہ ور گداگر، یہ ذلیل ہی نہیں بلکہ لعنتی بھی ہوتے ہیں ۔ انہیں مرنے کے بعد شدید عذابوں میں ڈالا جائے گا ۔ یہ لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی آبادی کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ اور بدنما داغ ہوتے ہیں ۔ ان خیرات دینا درحقیقت ان کی ہمت افزائی کرنا ہے اس لئے ہر مسلمان کو چاہ کہ ان کو خیرات دینے سے احتراز کرے ۔

ان پیشہ ور فقیروں میں ایک گروہ ہوتا ہے جو رنگین کپڑے پہن کر اور لوہے کے کڑے اور زنجیریں ڈال کر گھومتا پھرتا ہے ۔ یہ لوگ اکثر جرائم پیشہ بھی ہوتے ہیں، لوگوں سے بہ جبر خیرات وصول کرتے ہیں ۔ چوریاں کرتے ہیں، ڈاکے ڈالتے ہیں ۔ ڈرا دھمکا کر پیسے مانگتے ہیں اور حیرت تو یہ ہے کہ بعض لوگ ان سے نفرت کرنے کے بجائے عقیدت بھی رکھتے ہیں ۔

جمعہ اور عیدین کے موقع پر مسجد اور عید گاہ کے باہر پیشہ ور گداگروں کا ایک جم غفیر جمع ہوجاتا ہے ۔ نہ یہ لوگ نماز میں شریک ہوتے ہیں اور نہ خطبہ سننے کی ان کو پرواہ ہوتی ہے ۔ ادھر خطبہ ہورہا ہے اور ادھر یہ لوگ برابر چیخ چیخ کر بھیک مانگ رہے ہیں ۔ ایسے کاہل، بدتمیز اور بے دین لوگوں کو خیرات اور فطرہ کی رقم دینا کسی طرح پسندیدہ عمل نہیں ہوسکتا ۔

(١٦) وما قل و کفی خیر مما کثر و الھی ۔	جو (مال) کم ہو اور ضرورت کے لئے کافی ہوجائے وہ اس مال سے بہتر ہے جو بہت ہو اور غافل کر دے ۔

مال و دولت کیا چیز ہوتی ہے، علم معاشیات کی کتابوں میں دولت کی بہت سی تعریفیں ملتی ہیں لیکن ان میں ذہانت کا کمال اور الفاظ کی بازیگری بھی ہوتی ہے ۔ سیدھی سی بات یہی ہے کہ جو چیز انسان کی کسی حاجت کو پوری کردے وہ دولت ہے ۔ پیاسے کی حاجت کو پانی پوری کردیتا ہے اور بھوکے کی حاجت کو روٹی، اس لئے یہ دولت ہیں ۔ اور اسی طرح دوسری تمام اقسام دولت کو قیاس کرلیجئے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی حاجتیں اور ضرورتیں بہت سی ہیں اور بڑی متنوع اقسام کی لیکن ہر ضرورت یکساں اہمیت کی حامل نہیں ہوتی۔ بعض بہت ہی ہیں ۔بعض ان سے کم اور بعض بہت ہی کم اہمیت رکھتی ہیں ۔ اور بعد بعض ایسی بھی حاجتیں میں ہیں جو حقیقۃً حاجتیں نہیں بلکہ جذبۂ تقالی، حرص اور ہماری حماقت و نارسائی فکر نے انہیں ضرورت بت کا مرتبہ عطا کر دیا ہے اور ہم صرف حرص بلکہ اکثر دوسروں کی کی وجہ سے ان غیر حقیقی ضروریات کی تکمیل کے لئے سرگردان و پریشان ۔

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب معاش
انچہ ما در کار دارم اکثرش درکار نیست

اس کی مثالیں پیش کرکے بات کو طولانی بنا دینے کی ضرورت نہیں ہے، شخص خود اپنی ضروریات کا جائزہ لے کر اس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ۔ جائزے کے بعد ہم جس نتیجہ تک پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہماری ریات جسے ہم ضروریات کہتے ہیں پانچ اقسام کی ہیں ۔

(۱) ضروریات زندگی
(۲) ضروریات کارکردگی
(۳) ضروریات توانائی
(۴) اسراف
(۵) تبذیر

(۱) ضروریات زندگی مثلاً کھانا، پانی، کپڑا، مکان اور دوائیں وغیرہ منی وہ چیزیں جن کے بغیر ہم زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ یا کم از کم مطمئن نہیں رہ سکتے، یہ ضروریات اصلی اور اہم ترین ضرورتیں ہیں ۔

(۲) ضروریات کارکردگی، وہ تمام چیزیں جو مشغول بہ کار رہنے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہیں مثلاً کاریگر کے اوزار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالم کی کتابیں، کاتب کا قلم، کاغذ اور روشنائی، مدارس کی عمارتیں وغیرہ

(۳) چونکہ ہم اپنی تمام حرکات میں اپنی توانائی کا ایک حصہ صرف کرتے ہیں، اس لئے ہمیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ اپنی صرف شدہ توانائی کے بدلہ میں توانائی حاصل کریں۔ اس کو ضرورت توانائی، ضرورت عیش اور ضرورت تفریح کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

ان تینوں اقسام کے علاوہ جو درجہ بدرجہ اپنی اپنی جگہ پر واقع ضرورتیں ہیں، ہم دو قسم کی مزید ضرورتیں بھی اپنی زندگی میں پیدا کرلیتے ہیں۔ یہ در حقیقت ضرورتیں نہیں ہوتیں ہیں بلکہ ہم اپنی نادانی سے انہیں ضرورتوں کا درجہ دے لیتے ہیں، ان میں سے ایک ہے اسراف اور دوسرا تبذیر۔

(۴) اسراف کے معنی ہیں حقیقی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا۔ اگرچہ یہ صرف حقیقی ہو مگر اس میں ہم حصول مقصود سے زیادہ صرف دولت کریں تو اسے اسراف کہا جائے گا۔ مثلاً غسل کرنا یا وضوء کرنا ہماری ایک حقیقی ضرورت ہے لیکن ایک شخص اگر غسل کے لئے پانی کی دس بالٹیاں بہائے وضوء کرتے ہوئے ہاتھ اور منہ کو سات سات مرتبہ دھوئے تو اس نے پانی اسراف کیا۔ ایک بار ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

—— کیا وضوء میں اسراف ہوسکتا ہے؟ یا رسول اللہ!

—— آپ نے فرمایا، ہاں! اگرچہ تم بہتی ہوئی ایک ندی کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔

سائل کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ اگر مصرف خیر ہو اور حقیقی ضرورت میں کوئی چیز صرف کی جائے، پھر یہ کہ رسد بھی کافی ہو تو زیادہ خرچ کردینے کو کیوں معیوب قرار دیا جائے، اور آپ کے جواب میں یہ بات واضح کردی گئی کہ طلب سے زیادہ صرف اسراف ہے چاہے رسد کتنی ہی زیادہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہ کو رسد کی بہتات کی وجہ سے بڑھا دینا جایز نہیں ہے ، اگرچہ مصرف ہے اور حقیقی بھی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ رسد بہت ہی زیادہ ہے ن اگر طلب کو رسد کی بہتات کی وجہ سے بڑھا دیا جائے تو اس کو اسراف ، کہا جائے گا اور اسراف کرنے والے کو اللہ تعالی پسند نہیں کرتا ۔

اگر ہم اپنی طلب کو رسد کی فراوانی کے ساتھ ساتھ بڑھا کر اسراف کا ،اہ نہ کریں تو ہمارے معاشرے کے سیکڑوں ہی امراض کا علاج ہو جائے ۔

(ہ) پانچویں اور سب سے زیادہ غیر حقیقی اور نقصان دہ ضرورت جو ہم نے پیدا کرلی ہے وہ تبذیر ہے ۔ تبذیر کا لفظ ان تمام اعمال پر حاوی ہے جن سے مقصود کسی حقیقی ضرورت کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ ریا، طلب شہرت ناموری کی تمنا ، دوسروں کی ریس، محض برادری والوں کی خوشنودی اور اسی قسم کے ذلیل مقاصد سامنے ہوتے ہیں ۔ اس میں مراسم کی پابندی کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے ۔

اس پانچویں قسم کے اخراجات او صرف دولت کے اس بے جا مواقع سے لوگ بہت زیادہ تباہ حال رہتے ہیں اور معاشرے کو اس سے بڑا نقصان پہنچتا ہے ۔ انفرادی کردار و اعمال کو بھی تبذیر سے برے اور ناپاک رخ کی طرف مڑ جانے کا موقع مل جاتا ہے ۔ کوئی خوشی اور غم کے مراسم ادا کرنے کو سودی قرضے لیتا ہے، کوئی جہیز کا سامان مہیا کرنے کے لئے رشوت سے اپنے ہاتھ رنگتا ہے ۔ پھر دوسرے اس کی ریس کرتے ہیں اور گناہ کا یہ چکر سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ۔ لوگوں میں بزدلی پیدا ہوجاتی ہے اور ان میں اتنی ہمت باقی نہیں رہتی کہ وہ گناہ کے اس چکر سے نکل سکیں، اسی لئے اللہ تعالی نے تبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے ۔ جس طرح شیطان ایک ذرا سی بے ضرر حرکت کرکے قتل و خون تک فساد پیدا کرا دیتا ہے ، بالکل اسی طرح تبذیر کے گناہ کا مرتکب ایک مبذر ایک بے ضرر سی حرکت کرکے سارے معاشرے میں فساد پیدا کردیتا ہے۔ مثلاً ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطمن نے اپنی لڑکی کو بہت قیمتی اور بہت سا جہیز دیا۔ لیکن اس نے اس کی حتمام کے ساتھ نمائش بھی کی۔ بظاہر اس نے کسی کو نہ دکھ پہنچایا اور نہ کسی کو ستایا بلکہ دعوت دیکر لوگوں کو بلایا اور اچھی خاطر مدارات بھی کی۔ لیکن اس نے ساری آبادی میں ریس، رسم اور نمود و نمائش کی ایسی آگ لگا دی جس سے بہت سے گھر تباہ ہو جائیں گے۔ برادری والوں میں سے جو اتنا جہیز مہیا نہیں کرسکیں گے وہ رشک و حسد کی آگ میں جلیں گے اور جو اس سے بہتر جہیز مہیا کر سکیں گے وہ اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو ذلیل اور کمتر شمار کریں گے۔ اس طرح برادری میں احساس کمتری اور فخر و غرور کی دوہری آگ بھڑکے گی۔

اب سطور بالا کو نظر میں رکھ کر خطبۂ تبوک کے اس مختصر سے فقرے پر غور کیجئے، اس میں ہماری زندگی کے لئے بہترین رہنمائی موجود ہے جس کے مطابق عمل کرکے ہم نہ صرف اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہیں بلکہ سارے معاشرے کی اصلاح بھی کرسکتے ہیں۔ اس فقرہ میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ :-

جس مال و دولت کی مقدار اگرچہ کم ہو مگر ضرورت زندگی کے لئے کافی ہو وہ ایسے مال سے بہتر ہے جو اگرچہ بہت زیادہ ہو مگر ہمیں غفلت میں ڈال دے۔

اس طرح مال و دولت کی چار قسمیں ہوئیں۔

(۱) جو مقدار میں کم ہو اور حقیقی ضروریات کی تکمیل کے لئے کافی ہو،

(۲) جو مقدار میں کم ہو اور حقیقی ضروریات کی تکمیل کے لئے ناکافی ہو،

(۳) جو مقدار میں کثیر ہو اور ہمیں غفلت میں ڈال دے۔

(۴) جو مقدار میں کثیر ہو اور ہمیں غفلت میں نہ ڈال سکے۔

ان میں سے قسم اول قسم سوم سے بہتر ہے اور یہ پہلا نص پیغمبرانہ حکمت نے واضح کردی کہ مال و دولت کی کوئی مقدار ایسا قلیل جو بہا کثیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ خیر ہوتی ہے اور نہ شر۔ خیر و شر ہونے کا تعلق دولت کی دوسری صفات سے ہے جیسے کافی ہونے اور غفلت میں ڈال دینے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ہر دولت قلیل خیر نہیں ہوتی، بلکہ وہ خیر ہوتی ہے جو کسی کی حقیقی ضروریات کی تکمیل کے لئے کافی ہو، اور ہر دولت کثیر، شر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دولت کثیر شر ہوجاتی ہے جو صاحب دولت کو اپنی محبت میں مبتلاء کرکے فرایض انسانی سے غافل بنا دے۔ اگر کسی صاحب دولت کثیر، میں خالق کائنات اس کے احکام اور اس کی رضا جوئی کی طرف سے غفلت نہیں طاری ہوتی تو اس کی دولت نعمت پروردگار ہے اور خیر کامل ہے جس کے ذریعہ سے وہ دنیا اور آخرت کی خوشی حاصل کرسکتا ہے۔ عشرۂ مبشرہ صحابۂ کرام میں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی صاحب دولت کثیر تھے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس بھی بڑی دولت تھی لیکن ان بزرگوں پر غفلت کبھی طاری نہ ہوسکی، اور نہ دولت کی محبت ان کے دل میں جگہ پاسکی۔ اس لئے ان کی دولت نعمت پروردگار اور خیر کامل تھی۔ باوجود کثرت کے اس سے بہتر کوئی مال نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح کم دولت جو اصلی و حقیقی ضروریات کے لئے بھی کافی نہ ہو، خیر نہیں ہوتی بلکہ اکثر شر ثابت ہوتی ہے۔ آدمی بھکاری اور ذلیل ہوجاتا ہے جس کی طرف اس سے پہلے والے فقرہ میں اشارہ کیا جاچکا ہے شاید اسی مقصد کے مناسبت خطبہ میں ان فقروں کی ترتیب آپ نے قائم فرمائی تھی۔ بلکہ آپ نے ایک موقع پر فقر اور بے زری کو کفر تک پہنچا دینے والا ایک خطرہ قرار دیا ہے۔

دولت کی فراوانی کس طرح غفلت بلکہ بے راہ روی پیدا کردیتی ہے اس کی مثالیں ہر زمانہ اور ہر ملک میں بے شمار مل جاتی ہیں۔ اخباروں میں اطلاعات شایع ہوتی رہتی ہیں کہ فلاں کڑوڑپتی نے محفل رقص و سرود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منعقد کرنے کے لئے دو لاکھ روپے دئے اور فلاں لکھ پتی نے مقابلۂ حسن کے لئے لاکھوں روپے کا عطیہ دیا۔

اسی طرح اس کی بھی اطلاع ملتی ہے کہ فلاں دولتمند نے یتیم خانہ بنوایا۔ تعلیم کے لئے غریب طلبہ کو وظیفے دیے۔ دواخانہ اور ہسپتال قایم کیے یہ ضروری نہیں کہ اس نے یہ خیرات ناموری ہی کے لیے دی ہو بلکہ اکثر صورتوں میں ایسی خیرات اللہ تعالی کی رضا جوئی کے لئے بھی ہوتی ہے۔

اس طرح کسی دولت کے خیر و شر ہونے کا معیار اس کی قلت و کثرت نہیں ہے بلکہ اس کا کافی ہونا اور غفلت پیدا کرنا ہے۔

اسلام میں حلال ذریعہ سے بقدر کفاف روزی کمانے کی کوشش کو عبادت قرار دیا گیا ہے قرآن مجید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا جو طریقۂ زندگی سورہ الفتح کی آیت (۲۹) میں بتایا گیا ہے اس میں رکوع اور سجدہ کے بعد ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی دی ہوئی دولت اور اس کی رضا مندی کی تلاش کرتے ہیں اسی طرح اور متعدد آیتوں میں بھی حلال ذرائع سے رزق کی تلاش کا حکم موجود ہے۔ کافر کی تلاش دولت اور مومن کی تلاش دولت میں یہ بنیادی فرق ہے کہ کافر تلاش دولت میں مقصود خود دولت ہی کو سمجھتا ہے اور مومن تلاش دولت کی مہم سے مقصود اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے حصول کو قرار دیتا ہے۔

دولت کے خیر و شر ہونے کی یہ ساری بحث صرف اس دولت کے متعلق ہے جو حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو، ورنہ حرام ذرائع مثلاً چوری، ڈاکہ، قمار بازی، سود خواری، خمر فروشی، ذخیرہ اندوزی اور نفع خوری وغیرہ سے حاصل ہونے والی دولت میں خیر کا کوئی پہلو تلاش کرنا عبث ہے۔ فطرت انسانی اور عقل سلیم اس کے شر ہونے پر متفق ہے۔ یہ شر ہے اور جو جگہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر زمانہ میں شر ہی رہے گی چاہے ہماری کم نظری کی وجہ سے کسی کار آمد ہی کیوں نہ نظر آئے۔ ناجائز ذرائع کسب کے متعلق نظر کو وکہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اس کے دور رس اثرات اور نتائج کی طرف آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ ورنہ ذرا سی توجہ سے اس کے نقصانات واضح جاتے ہیں۔

ذرائع حصول دولت کے اعتبار سے ہمارے سامنے اموال کی تین قسمیں ی ہیں۔

قسم اول :۔ حلال یعنی حلال ذریعے سے حاصل کیا ہوا مال۔ ایسے مال کا بھی قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا۔ قیامت میں اور سوالات کے علاوہ س سوال کا جواب ہم سب کو دینا ہی پڑے گا کہ جو مال ہم نے حلال ذریعہ سے حاصل کیا تھا، اس کو خرچ کیا یا نہیں کیا، اور خرچ کیا تو کن مصارف میں خرچ کیا۔

قسم دوم :۔ مشتبہ یعنی وہ مال جس کے حلال ہونے میں شک و شبہ ہو، ایسے مال مشتبہ کہا جاتا ہے۔ ایسے مال سے احتراز ضروری ہے کیوں کہ قیامت میں اس کا مواخذہ ہوگا اور اللہ تعالی کے عتاب سے بندہ کو دوچار ہونا ہی پڑے گا۔

قسم سوم :۔ حرام یعنی وہ مال جو حرام اور ناجایز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو، اس مال کے مالک پر خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ اور ایسا بندہ عذاب میں ضرور ڈالا جائے گا۔

قیامت کے دن کا حساب ہی کیا کم مصیبت ہے کہ عتاب و عذاب کی کیفیت کا کوئی اندازہ کیا جا سکے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ عتاب کی کیا صورت ہوگی اور عذاب کتنے دردناک ہولگے اس جگہ ایک بندۂ مومن کو یہ خیال آسکتا ہے کہ موت کے وقت توبہ کرلیں گے۔ اس لئے خطبۂ تبوک میں اس فقرہ کے بعد آپ نے فرمایا۔

(باقی)

© rasailojaraid.com